مرزا اسداللہ خاں غالب

سب کہاں، کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہوگئیں

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزن دیوار زنداں ہوگئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوماہ کنعاں ہوگئیں

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دوفروزاں ہوگئیں

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرت حق سے یہی، حوریں اگر واں ہوگئیں

نینداس کی دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلیں سن کر میرے نالے غزل خواں ہوگئیں

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہوگئیں

ہم موحد ہیں ہ ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

رنج سے خوگر ہواانساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں

مرزا اسد اللہ خاں غالب

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا

غم اچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگا رہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ذوقؔ

کسی بے کس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا　　جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا　　اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
برے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا　　نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
خطا تو دل کی تھی قابل بہت سی مار کھانے کی　　تری زلفوں نے مشکیں باندھ کر مارا تو کیا مارا
نہیں وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دے دے کر　　جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا
تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے　　الٰہی اسنے دل کو تاک کر مارا تو کیا مارا
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل بینا　　کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا
مرے آنسو ہمیشہ ہیں برنگ لعل غرق خوں　　جو غوطہ آب میں تونے گہر مارا تو کیا مارا
جگر دل دونوں پہلو میں ہیں زخمی اس نے کیا جانے　　ادھر مارا تو کیا مارا، ادھر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں　　اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا
دل سنگین خسرو پر بھی ضرب اے کوہ کن پہنچی　　اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا

دل بد خواہ میں تھا مارنا یا چشم بد بیں میں
فلک پر ذوقؔ تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

نواب مرزا خاں داغ دہلوی

جلوہ تیری رعنائی کا کیا کلیجہ ہے تماشائی کا
رہ گیا عرش سے آگے جاکر ہائے عالم مری تنہائی کا
یوں نہ ہو برق تجلی بے تاب مل گیا رنگ تماشائی کا
یاد آتا ہے وہ رسوا کرکے رنج کرنا مری رسوائی کا
آئی شوخی میں کہاں سے تمکین پڑ گیا صبر تمنائی کا
اے لب یار جلا دے دل کو واسطہ اپنی مسیحائی کا
روز دیدار خدا خیر کرے معرکہ ہے تری زیبائی کا
اب تصور سے بھی گھبراتا ہوں کیا مزہ ہے مجھے تنہائی کا
منھ سے بولا تو کہا آئینہ کھیل کھیلے تو خود آرائی کا
ضعف نے دل کو تڑپنے نہ دیا ہوگیا نام شکیبائی کا
ان کی شہرت ہی مٹی جاتی ہے کیا ٹھکانہ مری رسوائی کا
کیا تصور بھی نہ آنے دی گی منھ تو دیکھو شب تنہائی کا

داغ کی قبر مٹا کر بولے
یہ نشاں تھا اسی سودائی کا

مومنؔ

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم حرف ناصح برا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر دل کسی کام کا نہیں ہوتا
امتحاں کیجئے مرا جب تک شوق زور آزما نہیں ہوتا
ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
نارسائی سے دم رکے تو رکے میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے تو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حال دل یار کو لکھوں کیوں کر ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
رحم کر خصم جان غیر نہ ہو سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا
دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو دست عاشق رسا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرض مضطر اے مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا